R. N. 2186/57, Regd. No. A. 823

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No. 70
Telegrams: "ANJUMAN"

ہماری زبان

جلد ۲۱ - شمارہ ۱۵ | ایڈیٹر آل احمد سرور | علی گڑھ - ۱۵ اپریل ۱۹۶۲ء

ڈاکٹر گیان چند

اُردو میں صوتیاتی اصطلاحیں

اُردو میں لسانیات بالخصوص صوتیات پر قلم اٹھاتے وقت انگریزی اصطلاحوں کے اُردو ترجمے کا مسئلہ بُری طرح پریشان کرتا ہے۔ اس سلسلے کی جو معدودے چند تحریریں ہیں ان میں اصطلاحات کا اختلاف قاری کی الجھنوں میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ بے چارے مصنّفین خود بھی اسی خلفشار کا شکار ہوتے ہیں اور حسبِ ضرورت انگریزی اصطلاحوں کے اُردو مترادفات وضع کر لیتے ہیں۔ فی زمانہ چونکہ لسانیات کے مضمون کی طرف توجہ ہوتی جا رہی ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی اصطلاحیں متعین ہو جائیں۔ ہندی میں کوئی [illegible] برس سے اس موضوع پر قلم فرسائی کی جا رہی ہے جس کی وجہ سے ہندی کی ہر کتاب میں وہی اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔ ابتداً وہ عجیب و غریب رہی ہوں گی لیکن اب کثرتِ استعمال کی خراد پر چڑھ کر عام الفاظ کی مانند ہو گئی ہیں۔ آزادی سے قبل انجمن ترقی اُردو نے کئی علوم کی اصطلاحوں کے اُردو ترجمے شائع کئے تھے۔ کیا اچھا ہو اگر انجمن ترقی اُردو ہند ایک کمیٹی مقرر کر کے اُردو میں صوتیات کی اصطلاحوں کا مرحلہ طے کر دے۔ اس کمیٹی کی مجوزہ اصطلاحوں کو ایک کتابچے کی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ اس موضوع پر لکھنے والوں کے لئے راہ ہموار ہو جائے اور انھیں قدم قدم پر احساسِ تنگی نہ ہو۔

محض مضمون نگاری ہی میں نہیں بلکہ طلبہ کو صوتیات کا درس دیتے ہوئے بھی اسی مشکل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لسانیات کی اُردو اصطلاحوں کا سب سے بڑا ذخیرہ پروفیسر عبدالقادر سروری کی کتاب "زبان اور علمِ زبان" میں ملتا ہے لیکن چونکہ اس موضوع پر سب سے پہلے موصوف نے لکھا اور انھیں کثرت سے اصطلاحات کا ترجمہ کرنا پڑا اس لئے بعض اصطلاحات کے بارے میں مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔ صوتیات کی اُردو اصطلاحات مندرجہ بالا کتاب میں ملتی ہیں یا جناب سرسوتی سرن کیف کے مضمون "ہندوستانی صوتیات" میں[1]۔ کیف صاحب نے جامع الازہر قاہرہ کے شعبۂ صوتیات کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ انھوں نے انگریزی، عربی اور ہندی اصطلاحات کا ایک جدول بھی دیا ہے۔ میں نے مندرجہ بالا نگارشات اور ہندی اصطلاحوں کو سامنے رکھ کر صوتیات کی ابتدائی اصطلاحوں پر غور کیا ہے۔ ذیل میں انھیں پیش کرتا ہوں تاکہ اہلِ نظر ان کے بارے میں اظہارِ خیال کر سکیں۔ ان میں جو موزوں دکھائی دیں انھیں اختیار کر لیا جائے جن پر ترقی دی جا سکے وہاں موزوں تر لفظ پیش کر دیا جائے۔ اصطلاحوں کے انتخاب میں میرے سامنے یہ اصول رہا ہے کہ حتی الامکان اردو ترجمہ نہ اتنا غریب و دقیق ہو کہ عام پڑھنے والا اس سے کچھ بھی اخذ نہ کر سکے نہ دہقانیت کی حد تک دیسی بولی میں ہو۔

سب سے پہلے اعضائے نطق کو لیجئے۔ ان کے لئے سروری صاحب نے جو اصطلاحیں درج کی ہیں عام طور سے ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے صرف تین کے بارے میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ Alveolum کے لئے دانت [illegible] کی بجائے مسوڑھا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ Pharynx کو حلق اور Larynx کو حنجرہ کے علاوہ مخرج الصوت بھی کہہ سکتے ہیں۔ مخرج الصوت الازہر کی اصطلاح ہے۔

Unvoiced اور Voiced کو اُردو میں مصمتی اور غیر مصمتی اور عربی میں مجہور اور مہموس کہا گیا۔ مجہور اچھا ترجمہ ہے لیکن مہموس ناقابلِ فہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی اصطلاح

---

[1] نیا دور، مارچ [illegible]

unvoiced بھی مفہوم پر صحیح دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس قسم کی اصوات میں بھی آواز تو ہوتی ہی ہے گو نسبتاً دھیمی ہیں۔ بہت غور کرکے ان کے لئے 'جلی' اور 'خفی' وضع کیا ہے جو موزوں ترین الفاظ ہیں۔

Aspirated اور unaspirated کے لئے 'ہکاری' اور 'غیر ہکاری' یا نفسی اور غیر نفسی ملتا ہے۔ چونکہ ان میں بنیادی آواز unaspirated ہے اس لئے اس کے لئے کسی واحد لفظ کی کھوج کرنی چاہیے۔ میں الازہر کی اصطلاحوں منفوس اور معلول کی سفارش کرتا ہوں۔

تلفظ گر articulator
مقام تلفظ point of articulation
طریق تلفظ manner of articulation

Stop یا plosive ۔ اردو میں اس کے لئے اسپھوٹ بندش، لمسی اور منہ بند کی اصطلاحیں دیکھنے میں آئی ہیں۔ الازہر کی عربی اصطلاح شدید ہے۔ میری رائے میں اس کا اردو ترجمہ Stop کا ہم معنی ہونا چاہیے کیونکہ اسپھوٹ میں کچھ زیادہ شدت پائی جاتی ہے۔ لمسی کہنا اس لئے مناسب نہیں کہ بعض دوسری آوازیں مثلاً م۔ بھی لمسی ہے۔ منہ بند میں یہ قباحت ہے کہ لمسی آوازوں کے علاوہ اور کسی Stop میں منہ بند نہیں ہوتا۔ ان آوازوں کے ادا کرنے میں سانس کا اخراج ایک لمحے کے لئے جس طرح بند ہو جاتا ہے اس کے پیش نظر میں ان کو مسدود یا مسدودی کہوں گا جو Stop کا ہم معنی ہے۔

nasal خیشومی ۔ انفی زیادہ اجنبی لفظ ہے۔
lateral پہلوئی

rolled یا Trilled اردو میں (ر) کی یہ قسم نہیں ملتی۔ اس کے لئے عربی اصطلاح 'مکررہ' ہے۔ میری رائے میں 'لرزشی' زیادہ صحیح ترجمہ ہے۔

Flapped ۔ اردو میں اس کے لئے تالیکا اور تھپک دار دو اصطلاحیں نظر سے گزریں۔ ہندی میں اسے لنٹھت کہتے ہیں۔ میں تالیکا اور لنٹھت کے معنی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اس آواز کو ادا کرنے میں زبان مسوڑھے یا تالو پر ایک بار tap (دستک) دے کر پیچھے واپس ہو جاتی ہے۔ تھپکنے میں ہاتھ اوپر نیچے ہوتا ہے۔ دستک میں آگے بڑھ کر پیچھے واپس ہوتا ہے جو Flapped آواز ہی کا عمل ہے اس لئے تھپک دار کی بجائے دستک دار کہنا زیادہ مناسب ہے۔ دستک دار کو مختصر کرکے میں دستکی تجویز کرتا ہوں۔

Fricative ۔ اردو میں اس کو صفیری۔ رگڑوالی عربی میں تفشیریہ اور ہندی میں سنگھرشی کہا گیا۔ صفیر پرندے کی آواز یا سیٹی کو کہتے ہیں۔ س اور ش سیٹی سے مماثل ہیں۔ لیکن ف۔ ذ۔ ہ۔ وغیرہ میں یہ کیفیت مفقود ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اردو ترجمہ Friction ہی سے اخذ کیا جائے۔ رگڑوالی اصطلاح کے مرتبے سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیوں نہ جدوجہد کے دوسرے جزو کی بنا پر اسے ایک مختصر لفظ 'جہدی' سے ظاہر کیا جائے۔

Semi-vowel ۔ نیم مصوتہ

Affricate ۔ اس کے لئے اردو میں کوئی لفظ دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ ایک مرکب آواز ہوتی ہے جو Stop اور fricative کے امتزاج سے بنتی ہے۔ ہندی میں اسے اسپرش سنگھرشی کہا گیا ہے۔ اردو میں اسے لمسی اور جہدی کے امتزاج سے 'لمس جہدی' کہا جا سکتا ہے۔ میں نے اس کے جزو اول میں مسدود پر لمس کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ جب اس میں friction کا عنصر آ جاتا ہے تو مکمل Stop کی کیفیت نہیں رہتی۔ لمس ضرور ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مسدود جہدی کی نسبت "لمس جہدی" مختصر ہے۔ ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ انگریزی اصطلاح کو مہند کرکے افرکی کہا جاتا ہے لیکن اس میں قباحت یہ ہے کہ اس نام سے ناواقف حضرات ان آوازوں کو افریقی سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے لمس جہدی سب سے اچھا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

لبی bi-labial
لب دنتی labio-dental
دنتی dental

alveolar ۔ یہ آوازیں مسوڑھے سے متعلق ہیں۔ دانت پیٹھکی اچھی اصطلاح نہیں۔ عربی میں مسوڑھے کو لثہ کہتے ہیں جس سے الازہر میں ان آوازوں کو لثیہ کہا جاتا ہے۔ اردو میں انھیں لثوی کہہ سکتے ہیں۔

retroflex کو کوزنی کی بجائے معکوسی کہنا بہتر ہے۔

عقب لثوی palato-alveolar
پیش تالوی alveolo-palatal
تالوئی palatal — نرم تالوئی velar
پیش حلقی uvular — حلقی pharyngeal
گلوئی glottal

مصوتوں کو زبان کے اعتبار سے اگلا۔ وسطی اور پچھلا کہیں گے تو close کو بند half close کو نیم بند۔ half-open کو نیم باز اور open کو کشادہ کہہ سکتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ علمائے لسانیات مندرجہ بالا تجاویز پر اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں گے۔

ہماری زبان

۱۵ اپریل ۱۹۶۲ء

تخلیق، تحقیق، تنقید

ہمارے ملک میں سہل پسندی بہت ہے۔ کچھ لوگ تخلیق کو اتنا بڑا درجہ دیتے ہیں کہ تحقیق اور تنقید کی اہمیت نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی تیسرے درجے کے پرانے شاعر کے کلام کی دریافت موجودہ دور کے بڑے سے بڑے تخلیقی کارنامے کے مقابلے میں رکھی جا سکتی ہے۔ کچھ لوگ تنقید کی تاثراتی لہروں میں گم ہیں اور تحقیق کے وزن اور تخلیق کے وقار سے بے بہرہ۔ اسی وجہ سے تخلیق، تنقیدی یا تحقیقی معلومات کو قابل اعتنا نہیں سمجھتی، تحقیق کے لئے کسی ذوق یا ادبی حسن کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور تنقید منڈیر کی استادی یا ساحل سے لہروں کا گننا بن گئی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مختصر طور پر ان کے بنیادی مسائل پر غور کیا جائے اور ایک دوسرے سے ان کے تعلق کو واضح کیا جائے۔

ادب بہرحال زبان کے ذریعے سے تخیلی تجربات کا اظہار ہے۔ ادب کے ہر گوشے میں الفاظ کے مناسب استعمال کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ زبان پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ادب کے ہر شعبے میں کمی رہ جاتی ہے۔ ہاں تخلیق کی زبان میں لفظ کی اہمیت کلیدی ہے۔ یہاں لفظ معنی کا طلسم ہے، تاثرات کے دریا کو کوزے میں بند کرنے والا ہے۔ خیال کی توانائی کو ایک جوہری بم میں اسیر کرنے والا ہے۔ اچھی تخلیق میں خارجی دنیا پر داخلی دنیا حکمرانی کرتی ہے۔ حقیقت کو خوابوں کے ذریعے سے معنی خیز، طلسماتی، پُراسرار، دلکش بناتی ہے۔ سیدھی سادی سپاٹ، بے رنگ، بے معنی سی، اور بے مقصد سی حقیقت، فن کار کے خوابوں، اُس کے تخیل کے کرشموں سے ایک اور ہی شے بن جاتی ہے جس سے انسان محبت یا نفرت کرنے لگتا ہے، جسے یاد رکھتا ہے، جس سے متاثر ہوتا ہے۔ تحقیق یا تنقید میں لفظ کی یہ اہمیت نہیں۔ لفظ یہاں چراغ نہیں ہے چراغ کی لو ہے۔ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر ایک علم، منطق ایک تسلسل دیتا ہے، ایک راستہ کھولتا ہے، ایک سمت متعین کرتا ہے۔ اب لفظ جادو کی چھڑی نہیں رہتا کہ اسے ہلاتے ہی جنگل میں منگل ہو جائے، اب یہ ایک عمارت کی ایک اینٹ، ایک درخت کی ایک شاخ، ایک ستون کا ایک حصہ، ایک مینار کی ایک منزل بن جاتا ہے۔ تحقیق میں زور معلومات پر ہے۔ ان کے ذریعے سے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور پچھلی غلطیوں یا کوتاہیوں کی صحت ہوتی ہے۔ تحقیق ادب میں سائنس سے سب سے قریب ہے۔ لیکن اس سائنس کو بھی نثر کے اظہار کے بنیادی طریقے پورے کرنے ہیں۔ اس میں بھی منطقی انداز، واضح بیان، موزوں اور مناسب پیرائے کی اہمیت ہے۔ ہلدی کی گرہ لے کر یہاں کوئی پنساری بن بیٹھے تو اسے پنساری نہیں مانا جائے گا۔ یہ تحقیق صرف قدامت پرستی، روایت پرستی، پرانے پن کی طرف لے جائے تو ادب کی شریعت میں اسے مستحسن نہیں کہا جائے گا۔ یہ ماضی کا احساس دلائے، اس کے تاریک گوشوں کو روشن کرے، مفروضات کی قلعی کھولے، گمراہی کو دور کرے، صحت اور معروضیت کو عام کرے تو قابل قدر ہوگی، مگر تحقیق یا تنقید سے اسے مس نہ ہوا، فن کے جادو اور معیاروں کی بلندی کا اسے احساس نہ ہوا تو یہ کوہ کندن و کاہ برآوردن ہی نہیں کوہ کندن و استخواں برآوردن کے مترادف ہوگی۔ اسی طرح تنقید کے معنی سخن فہمی کے ہیں طرفداری کے نہیں۔ نہ گلستان میں کانٹوں کی تلاش اس کا مقصد ہے، ٹینس کے کھلاڑیوں کی سالانہ درجہ بندی جس کے ذریعے سے اول، دوم، سوم انعام تقسیم کئے جائیں۔ نہ یہ کسی تخلیق کو بہانہ بنا کر زندگی اور ادب پر اپنے خیالات کا پرچار کرنا ہے۔ ایلیٹ کا معیار اس سلسلے میں سب سے زیادہ مفید ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تنقید کا کام فن پاروں کی وضاحت اور ذوق کی اصلاح ہے۔ رچرڈس نے جب تنقید کو تجربے اور تجربے میں فرق کرنا بتایا اور جب اس کے ساتھ قدروں کے تعین کا دُم چھلا بھی لگا دیا تو اس نے غلطی نہیں کی، مگر محقق بننے کے شوق میں بہت سے لوگوں نے تجربات کی پرکھ کے ضروری اور بنیادی پہلو کو نظر انداز کر دیا۔

آج عام کیفیت یہ ہے کہ تخلیق، تحقیق اور تنقید سب اپنی اپنی راہ چل رہے ہیں اور ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ آگہی کا ادب، آگہی کے شوق میں بے ادب ہوتا جا رہا ہے، طاقت کا ادب، آگہی کی مشعل کو نظر انداز کر کے اندھیرے میں بڑھ رہا ہے۔ یا تو کولھو کا بیل ہے یا گمراہ۔ پھر سب پر کاروباری نقطۂ نظر مسلط ہو گیا ہے۔ جس طرح اُتر پردیش میں جن کھیتوں میں غلہ پیدا ہو سکتا تھا وہاں نفع کی خاطر گنّے کی کاشت ہو رہی ہے، اسی طرح تخلیق، تحقیق اور تنقید سب میں (Cash Crops) کا دور ہے۔ شاعری اور افسانہ نگاری اپنے یا دوسروں کے زخموں کو کُریدنے کا نام بن گئی ہے۔ تحقیق کے نام پر رائی کے پہاڑ کھڑے کئے جا رہے ہیں اور ایسے بوٹے کہ ہوا کا جھونکا نہ سہار سکیں۔ تنقید میں جھلاہٹ یا جانبداری عام ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اچھی تخلیق، اچھی تحقیق یا اچھی تنقید سرے سے نہیں لکھی جا رہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ صنعتی دور کے اثرات نے اشتہاریت کو اس حد تک فروغ دیا ہے کہ اس کے اثر سے ادب سے سچی لگن اور اُس کے منصب کا پورا احساس کم ہو گیا ہے۔ سستی سیاست اور تجارت نے عجیب افراتفری مچا رکھی ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ادب کے صحیح تصور کو عام کریں۔ اس کے حسن ہزار شیوہ تک پہنچیں اور اس کی ہر ادا کی خصوصیات کو اس طرح جانیں اور پہچانیں کہ ایک کی حمایت میں دوسری کے ساتھ بے انصافی نہ ہو سکے۔

غالب نے درست کہا ہے ؎

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے

ڈاکٹر محمد عقیل

اُردو کا رسمِ خط

دلّی کی ایک ادبی نشست میں، جو شاید اُردو کانفرنس کے سلسلے میں ہوئی تھی، کسی نے ایک روسی کہاوت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ادیبوں کو کسی ایک مرکز پر لانے کی کوشش کرنا گویا مینڈھک تولنا ہے۔ جس طرح مینڈھک ترازو کے پلڑے سے اُچک جاتے ہیں ایک کو پکڑ کر لاؤ تو دوسرا اچھل جاتا ہے، دوسرے کو لاؤ تو تیسرا اچھل جاتا ہے یہی حال ہمارے اُردو کے ادیبوں کا رسمِ خط کے مسئلے میں آج کل ہو رہا ہے۔ رسمِ خط اور زبان کا مسئلہ جسے انجمن ترقی اُردو کم و بیش ... سے حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے، ابھی تک لاینحل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ جب کوئی نئی اسکیم عمل میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے تو مسئلے کو یکسوئی سے سوچنے اور اس کی عملی صورتوں پر غور کرنے کے بجائے اس پر یہاں تک بحث و مباحثے ہوتے ہیں کہ آخر میں بنیادی مسئلہ تو پیچھے رہ جاتا ہے، اور لے دے کر بحث و مباحثے کی چندیاں ہی اُڑتی رہتی ہیں اور ادیبوں کا یہ "مزاج المومنین" اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک کہ ادارے والے ہی آگر خود اس بحث کو ختم نہیں کر دیتے۔

حال ہی میں جمیس بیتیں کی ترمیمی اسکیم نے پھر اُردو رسمِ خط کی تبدیلی یا ترمیم کا مسئلہ چھیڑ دیا ہے۔ دو طریقے رسمِ خط کو رومن رسمِ خط میں تبدیل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ پہلا احسن صاحب کا طریقہ ہے اور دوسرا آفتاب حیدر نے کچھ ترمیم کے ساتھ معقول طریقے سے پیش کیا اور تیسرا گیان چند جین کا ہے جو "مزاج المومنین" سے زیادہ نزدیک ہے اور اُردو کی پرابلم سے بہت کم۔ ایک ترمیم کا طریقہ اس خاکسار نے بھی پیش کیا ہے جو رومن رسمِ خط سے متعلق نہ تھا بلکہ املا سے متعلق تھا اور موجودہ اُردو رسمِ خط میں چند دوں حروف کو مقرر کر لینے پر زور دیتا ہے جو قابلِ عمل بھی ہے۔ یہ طریقہ محض اس لئے تھا کہ اگر اُردو والے یک بخت تبدیلی سے گھبراتے ہوں تو اس تھوڑی سی تبدیلی پر شاید تیار ہو جائیں مگر اتنی بڑی بڑی بحثوں کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ رسمِ خط کی یک لخت تبدیلی کے لئے بھی لوگ تیار ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ عوامی تحریک ہے تو خوش آمدید کہنے کے قابل ہے۔ اس لئے کہ میری بتائی ہوئی اسکیم محض وقتی ہے جس سے آگے چل کر زیادہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ صرف پڑھنے لکھنے والوں کی تھوڑی بہت دقتیں حل ہو سکتی ہیں۔

مگر رومن رسمِ خط اختیار کرنے میں یقیناً بہت بڑی حد تک یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اور نہ صرف رسمِ خط کا مسئلہ بلکہ اُردو زبان کا بھی۔ اب سوال یہ ہے کہ رسمِ خط کو کس طرح اختیار کیا جائے، جو طریقے بتائے گئے ہیں اُن میں کچھ تجربے بھی شامل ہیں (جو آپ حضرات ملاحظہ کر چکے ہیں) میں سمجھتا ہوں کہ تجربوں کا وقت نہیں ہے۔ سیدھے سادے طریقے سے پہلے رومن رسمِ خط اختیار کر لیا جائے کیونکہ جو لسانی فارمولا حکومت اتر پردیش اختیار کرنے جا رہی ہے اس میں انگریزی ضرور ہوگی جس کے رسمِ خط سے ہمارے بچے واقف ہوں گے اور اس طرح رومن حروف کے ذریعہ وہ اُردو سیکھ لیں گے۔ اس بات کا بالکل یقین کر لینا چاہیے کہ تیسری زبان جس کا ابھی تک اس فارمولے میں نام نہیں بتایا گیا ہے، اُردو نہ ہوگی، وہ چاہے جو زبان ہو۔ اس خام خیالی میں پڑے رہنا کہ تیسری زبان اس فارمولے کے لحاظ سے اُردو کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے، محض خوش فہمی ہے۔ جس حکومت کے کل پرزے اُردو کو اس کی جائے پیدائش یعنی اتر پردیش کو اس کا وطن نہیں مانتے وہ اس بات کی بھی کوشش کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کی چودہ زبانوں میں اُردو کو چھوڑ کر اور جس زبان کو چاہو لو۔ ایسی صورت میں رومن رسمِ خط ہمارے بہت کام آ سکتا ہے۔ اس کے ذریعہ اُردو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی آسانی سے پڑھی اور سمجھی جا سکے گی اور اُردو کے ادیبوں کے لئے مغربی ممالک کے بھی دروازے کھل سکتے ہیں۔ جب رومن رسمِ خط سیدھے سادے طریقے پر اختیار کر لیا جائے گا تو رفتہ رفتہ اعراب اور آوازوں کی دقتیں خود ہی اپنا حل تلاش کر لیں گی۔ زبان عوام ہی بناتے ہیں اور اپنی دقتوں کا حل بھی تلاش کرنا جانتے ہیں۔ ادب کے ناصحوں کا فرض صرف ان کی سیدھی سادی رہنمائی کرنا ہوگا۔ لیکن ابھی سے گیان چند جین کی طرح ایک گورکھ دھندا بنا کر تیار کرنا اور اس میں قلابازیاں کھا کر اپنی استادی کا ثبوت دینا اور اس طرح لوگوں کو خوف زدہ کرنا، اُردو کی موجودہ مصیبت کو اور بڑھانا ہے۔ اس وقت لسانی مہارت دکھانے سے زیادہ فوراً کسی راستے کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو ہمیں صحیح منزل پر پہنچا سکے۔ راستے کی پیچیدگیاں اور دقتیں ہم خود حل کر لیں گے۔

'ہماری زبان' کے ۲۲ مارچ والے پرچے میں ظہیر رضوی صاحب نے ایک اور رائے دی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"آج اُردو زبان کی ترقی میں جو چیز حائل ہے وہ اُردو رسمِ خط کے لئے بہترین ٹائپ کا نہ ہونا ہے۔"

ظہیر صاحب! ٹائپ اُن خوش قسمت زبانوں کے لئے کارآمد ہوا کرتا ہے جن میں کتابیں لاکھوں کی تعداد میں چھپا کرتی ہیں۔ جس بدنصیب زبان میں کسی کتاب کا ایک ہزار کا اڈیشن چار پانچ سال میں بھی نہ نکل سکے وہاں ٹائپ اور نستعلیق یا کتابت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر ٹائپ سے رسمِ خط کی دقتیں کب ختم ہو جائیں گی۔

وحید مرزا

گیتوں کے لئے

لالہ زاروں نے سمن زاروں نے گلزاروں نے
جوئباروں نے شفق زاروں نے کہساروں نے
دل آزاروں نے کبھی اور کبھی دل داروں نے
حسن والوں کے حسیں آتشیں رخساروں نے
میرے افکار کو آوارہ بنا ڈالا تھا
دل کے سنگیت پہ نغموں کو جگا ڈالا تھا
بربطِ دل پہ مچلتے ہوئے گیتوں کے لئے
آتشِ شوق سے جلتے ہوئے گیتوں کے لئے
میں نے کھلتی ہوئی کلیوں سے تبسم مانگا
چاند کے نور کی کرنوں سے حسیں جال بنے
ناز و انداز حسینوں کے اٹھائے ہیں کبھی
تابِ گیسو میں گرفتار رہا ہوں برسوں
جب کسی غمزہ و انداز کی یاد آتی ہے
کسی پازیب یا پایل میں کھنک ہوتی ہے
زلفِ پیچاں کے خم و پیچ مچل جاتے ہیں
جیسے بادل کے اندھیروں میں دھنک ہوتی ہے
اب تو فکرِ غمِ انساں غمِ دوراں کی طرف
ذکرِ جاناں سے مرا پیار نکل آیا ہے
بربطِ دل پہ مچلتے ہوئے گیتوں کے لئے
آتشِ شوق سے جلتے ہوئے گیتوں کے لئے
الجزائر کے جواں سال مجاہد سے کفن
دل نے شاعر کے بصد ناز کبھی مانگا ہے
رجز پڑھتے ہوئے [illegible] کے جانبازوں سے
سوزِ دل شعلۂ آواز کبھی مانگا ہے
کوریا کے دلِ معصوم سے نکلی ہوئی آہ
ارضِ ویت نام سے جانبازِ شہیدوں کا لہو
دشتِ کہسارِ ملایا سے چلی آتی ہے
میرے گیتوں میں جوانوں کے لہو کی خوشبو
بربطِ دل پہ مچلتے ہوئے گیتوں کے لئے
آتشِ شوق سے جلتے ہوئے گیتوں کے لئے
امنِ عالم کی میں سوغات لئے آیا ہوں
لیلیِ امن کے رخسار چمک اٹھے ہیں
تاج کی مرمریں بانہوں کا سلام آیا ہے
نیند سے آج اجنتا کے صنم اٹھے ہیں
سازِ شمشیر کی جھنکار لئے گیتوں میں
اک نئے دور کا آغاز ہوا جاتا ہوں
اپنے ماحول کے جلتے ہوئے غم خانہ کا
ہمدم و مونس و دمساز ہوا جاتا ہوں

ایم کوٹھیاوی راہی

میونسپلٹی کی لالٹین

روشنی
رستے کی پھیکی روشنی
زرد — جیسے پھول مرجھایا ہوا
یا — گہن میں ماہتاب آیا ہوا ——!
ٹمٹمش گم ہر ستارا آج ہے
مجھ کو جانا ہے کدھر؟
کس سے کروں معلوم، کوئی بھی نہیں!
ہو گی کیا یہ میری رفتارِ قدم
ہوں گے کیا یہ حوصلے؟؟
یہ جرأتِ عزمِ جنوں
اور یہ مرا سوزِ دروں ——— ؟!
لٹ نہ جائے آج یہ زادِ سفر!
رات کے بیمار کہرے میں ڈھلی ہے روشنی!!

روشنی
رستے کی پھیکی روشنی
خونِ دل تک نذر کر سکتا ہوں میں
"مشعلِ گلفام" بن جائے جو تو! ———

غزل

ابراہیم فیض

کیا قیامت ہے یہ خدائی بھی　　جرم ہے جرمِ لب کشائی بھی!
تیرہ راتوں کو کوسنے والو!　　شمع دل کی کبھی جلائی بھی؟
زلفِ جاناں سے تا بہ حلقۂ دار　　دل کشی بھی ہے دل ربائی بھی
سو گئے فلک کے منقش ماہ و نجوم　　غم کے ماروں کو نیند آئی بھی؟

رئیس اجمیری

اہلِ دل جب بھی آنکھ کھولیں گے　　نظمِ عالم بدل کے رکھ دیں گے
رات کا سینہ چاک ہونے دو　　گھٹتے ہی آفتاب ابھریں گے
قلبِ گیتی کی دھڑکنیں سن کر　　بام و در میں ستارے اتریں گے
تعبیرِ ظلمات کے دریچوں سے　　روشنی کے جلوس گذریں گے

چندر پرکاش شاد

کوئی بھی خوابِ شوق مکمل نہ ہو سکا　　کیا کیا دیے فریبِ تمنا نے خام نے
گو تیرا التفات میسر ہوا مگر　　جینے دیا نہ تجھ کو مرے صبح و شام نے
ہر نقشِ رہگذار کی صورت بدل گئی
وہ خاک اڑائی قافلۂ تیز گام نے

اقبال کرشن

شباب اُردو

"شباب اُردو" نام ہے ایک چھوٹے سائز کے رسالے کا جو آج سے قریب نصف صدی پہلے لاہور سے نکلتا تھا۔ میرے پاس ۱۹۲۵ء کے اپریل تا اگست پانچ نمبر گیارہویں جلد کے اور بارھویں جلد کے اگست دستمبر کا ایک شمارہ ہیں۔ یہاں ذیل میں تصویر ان ہی شماروں کی پیش کرتا ہوں۔

اسٹاف اڈیٹر: خان احمد حسین خاں بی۔ اے ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ممبر رائل آرٹس سوسائٹی لندن؛ آنریری اڈیٹر: آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر بی۔ اے بیرسٹر پریسیڈنٹ لیجسلیٹو کونسل پنجاب؛ جائنٹ اڈیٹر: خان صاحب قلندر علی خاں و لی ایم۔ اے ایل ایل ایم وکیل ہائی کورٹ، پروفیسر غلام عباس خاں ایم۔ اے، ملک برکت علی ایم اے ایل ایل بی وکیل، دیوان چمن لال بی۔ اے ایل ایل بی، وکیل؛ اسسٹنٹ اڈیٹر حصۂ نسواں و مالک رسالہ ہذا: خورشید سلطانہ؛ پبلشر: خان نظیر احمد خاں؛ کاتب: رفیق احمد خاں؛ مطبوعہ: کریمی پریس، لاہور؛ پرنٹر: میر قدرت اللہ۔ قیمت فی پرچہ ۱۱ آنے۔ قیمت سالانہ عہ/۔ قیمت ششماہی ۳ روپے۔

عمدہ چکنا کاغذ، اچھی طباعت، خاصی کتابت، رنگین سرورق اوسطاً ۸۰ صفحات۔

اپریل۔ شذرات، ملک برکت علی؛ سگرٹ کی قربانی، خان احمد حسین خاں؛ غزل، خان احمد حسین خاں؛ ہلاک فریب، جناب مرزا جعفر علی خاں صاحب بی۔ اے اثر ڈپٹی کلکٹر؛ انتقام شہید، وامق بہاولپوری؛ صبح، محمد سلامت علی خاں رفیق؛ تحفظ اطفال، خان قدرت اللہ خاں دیوانہ بریلوی؛ کلام شیدا، منشی رام، چھپال سنگھ شیدا دہلوی؛ گنگا رام کے کارنامے، خان بہادر نواب مظفر خاں صاحب ڈائرکٹر محکمۂ اطلاع؛ امیدوار، شیخ محمد حیات؛ ماہِ رمضان، سید محمد رفیع رہبر؛ راز شگفتگی، شیخ محمد اسلم؛ تمنا، ایم سلیمان؛ صنعت ظروف گلی اور چینی کاری، پنڈت پران ناتھ؛ کلام ہادی، خان بہادر سید محمد ہادی؛ ماں بیٹی، ایم اے رشید اختر؛ لمعات، شریف فکری؛ ناشاد ہستیاں، شاہد احمد دہلوی؛ دنیا میں سب سے بلند منارہ، سید انور علی مورخ، رابن ہڈ، سید مہر علی شاہ؛ تقدیر، محترمہ امت الاکرام؛ جواہر ریزے، محترمہ م۔ ب۔ شیروانیہ؛ دیاسلائی اور سگرٹ، محترمہ اہلیہ صاحبہ خان ظہیر الدین خاں؛ شہید محبت، محترمہ بیگم محمد افضل خاں؛ نمک دان ظرافت، مسماۃ زبیدہ سلطانہ؛ جوانی اور بڑھاپا، محترمہ سبزہ بیگم؛ افغانستان، محمد احمد شیبانی؛ معیار محبت، صاحبزادہ ولی محمد خاں؛ سہرا، محمد عبدالاحد خاں خلیل؛ عید، دیوان موتی رام فرحت؛ ان کے علاوہ مزید تین غزلیں امجد حسین عقیل مستی پوری، محمد اکبر قندھاری اکبر، ظفر حسین رشک کی، اور چمن لال دیوان کا مضمون بعنوان تخیل۔

پہلے ہی قطب مینار کے نام سے اشوک لاٹ کی تصویر۔ "شذرات" سے پتہ لگتا ہے کہ رسالے کا اجرا ۱۹۲۲ء کے اپریل سے ہوا تھا۔ "شذرات" ہی میں مندرجہ ذیل کتابوں پر بالکل مختصر تبصرے درج ہیں: قاعدۃ القرآن شری جیب جی صاحب، سبزی ترکاری۔ ڈرامہ ہلاک فریب شروع ہی سے مسلسل چلا آرہا ہے۔ یہی حال رابن ہڈ اور ماں بیٹی کا بھی ہے۔

مئی۔ شذرات، ملک برکت علی؛ سبزہ و مال، خان احمد حسین خاں؛ وقت اور قیام، خان احمد حسین خاں؛ باکمال درویش، سید نثار حسین؛ اشک ندامت، منشی محمد یسین تسکین؛ شعر کیا چیز ہے، لالہ رام، چھپال سنگھ شیدا؛ غزل، مرزا کاظم حسین محشر؛ حالات سیاح، عبدالستار فاروقی؛ غزل، مولوی ظفر حسین رشک؛ شبستانِ حسرت، سید طالب علی طالب؛ افکار فکری، شریف فکری؛ ناکام، شیخ محمد حیات؛ نوادرات، محمد حمید گیلانی؛ ہلاک فریب، اثر لکھنوی؛ غزل، سید محمد علی حشم؛ مہندی کا چاند، شیخ محمد اسلم؛ مایوسی کی تصویر، مسز محمد رشید؛ بچھڑی ہوئی ماں سے خطاب، محترمہ امت الاکرام؛ ماتم، محترمہ آر ایس اصغری؛ اظہار غم، محترمہ اہلیہ مرزا بیضا خاں؛ قومی خدمت، محترمہ ام الکلیمہ مریم بنت حماد ابوالعالی؛ عورت کی ذمہ داری، محترمہ بیگم فیض احمد؛ رابن ہڈ، سید مہر علی شاہ؛ جہاں در جہاں، ایس ایم شفیع؛ معمہ، عطاء اللہ خاں عطا؛ مبارک ولادت، شیخ محمد حیات؛ تعلیم و تربیت قوم کی نئی شاہراہیں، نواب مظفر خاں۔

شروع میں قطب کی لاٹ کے عنوان سے قطب مینار کی تصویر۔ "شذرات" میں میاں ایم اسلم کی پانچ چھوٹی چھوٹی کتابوں کی رسید۔ آخری صفحے پر امام غزالی کی کتاب مکاشفۃ القلوب کے اُردو ترجمے، عزیز القلوب کا اشتہار، صفحات ۲۱۰، قیمت دو روپے چار آنے۔

جون۔ شذرات، ملک برکت علی؛ قدرت کی آنکھ مچولی، خان احمد حسین خاں؛ ابو بن ادہم، خان احمد حسین خاں؛ عید مبارک، دیوان موتی رام فرحت؛ باکمال درویش، سید نثار حسین؛ قلوپطرہ، بشیر احمد دہلوی؛ غزل، ریاض لکھنوی؛ ایک بچے کی سرگزشت، سید طالب علی طالب الہ آبادی؛ غزل، سید محمد علی حشم؛ ہندستان میں پہلا مسیحی شہر، سید انور علی نقوی؛ شباب اُردو، غلام صمد ثاقب دہلوی؛ ہلاک فریب، اثر لکھنوی؛ غزل، محمد اسلم خاں غم غشتوی؛ رابن ہڈ، سید مہر علی شاہ؛ ناکام، شیخ محمد حیات؛ بہار، لالہ امرچند قیس؛ شمع بالیں، الطاف الٰہی رنگین؛ شباب اُردو، امجد حسین عقیل؛ پرواز تخیل، محترمہ م۔ ب۔ ش صاحبہ؛ سیر امہات المومنین، محترمہ بیگم فیض احمد؛ حضرت فضیل بن عیاض، محترمہ بیگم محمد افضل خاں؛ نمکدان ظرافت، بیگم خان بہادر محمد لطیف قریشی؛ مفید باتیں، حکیم شیخ اکرام اللہ؛ گلِ خندہ، خورشید جہاں بیگم؛ مسرا ئیکل فیلو، محمد احمد شیبانی؛ مجھ سے اٹکھیلیاں ذکر، شاکی لکھنوی؛ عید، الطاف الٰہی رنگین؛ جاپان اور اس کا اخلاق، سید نثار علی رشد۔

"شذرات" میں اثر لکھنوی کے دیوان پر مختصر تبصرہ ہے۔

اسی کے ساتھ کوثر لکھنوی کی تصنیف سفیر سخن اور مولانا بشیر احمد کی انشائے بشیر پر بھی تبصرہ ہے۔ شروع میں ارباب غلام زکریا خاں کی تصویر ہے۔ آخر میں کچھ کتابوں کا اشتہار ہے۔

دیوان حافظ۔ اُردو ترجمہ مع شرح و سوانح عمری۔ ایک ہزار صفحات قیمت ۶ روپے آٹھ آنے۔ غنیۃ الطالبین (ترجمہ)، سیرۃ النعمان۔

جولائی۔ حصۂ نثر۔ شذرات، ملک برکت علی؛ بھیانک نظارہ، خان احمد حسین خاں؛ باکمال درویش، سید نثار حسین؛ جاپان کا اخلاق، سید ارشاد علی ارشد؛ ناکام، شیخ محمد حیات؛ حسن کی ادائیں، شریف فکری؛ سوشیلا، دیوانہ بریلوی؛ راہن پڑ، سید مہر علی شاہ؛ فضل الحق، بیگم افضل خاں؛ طلسم محبت، الطاف الٰہی رنگین؛ بہار اضلع، اللہ بخش بلوچ؛ ہلاک فریب، اثر لکھنوی؛ انکشاف، وحقیت رائے؛ حاجی بابا کو چلہ، زنگ سے جنگ، ف۔م۔غ۔ آزاد؛ نمکدان ظرافت، ظفر الٰہ آبادی۔

حصۂ نظم۔ زندگی کا ناٹک، خان احمد حسین خاں؛ غزل، امجد حسین عقیل؛ نغمۂ جذبات، احسان علی کوثر؛ تازہ افکار، شیدا دہلوی؛ حشر جذبات، فرحت کان پوری؛ تراوش ابر میں، بلقیس جمال؛ محشر ساز، میمونہ غزال بریلوی؛ شہرۂ شیراز، رابعہ پنہاں؛ قومی بہن بھائی، سردار العزیز؛ کلام ناطق، ناطق گلاؤ ٹھوی؛ شعلۂ زندگی، معراج الدین شاہی؛ اسیری صیاد، فیح احمد قریشی۔

مولوی نذیر احمد کی تصویر۔ ایک تصویر تاج محل کی۔ مولوی نثار علی کی کتاب انتخاب صحاح ستہ کا دوسرا اڈیشن چھپ گیا۔ ۴۰۰ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

اگست۔ حصۂ نثر۔ شذرات، خواجہ محمد حیات؛ جوانی روح، خان احمد حسین خاں؛ باکمال درویش، سید نثار حسین؛ ترانۂ دلکش، ایمن سنگھ ہنر؛ سوشیلا، دیوانہ بریلوی؛ ہلاک فریب، اثر لکھنوی؛ راہن پڑ، سید مہر علی شاہ؛ رازِ ترقی، ارشاد علی ارشد؛ ہندوستان کا ہیرو، سید انور علی نقوی؛ مسرت، لالہ وحقیت رائے؛ استقلال دل، بیگم محمد افضل خاں؛ مقابلہ، سبزہ بیگم؛ نمکدان ظرافت، زبیدہ سلطانہ؛ مناسب وقت، خورشید سلطانہ؛ خون کا داغ، ارباب غلام زکریا خاں۔

حصۂ نظم۔ لمعات محمود، محمود علی خاں؛ نوائے یاس، خان احمد حسین خاں؛ غزل، نجم الحسن نجم؛ غزل، مشرب لکھنوی؛ چاند، شمس الحق؛ افکار فکری، شریف فکری؛ غزل، ہادی مچھلی شہری؛ دنیائے بہار، اخترمیرٹھی؛ غزل، حامد سعید خاں فاتح؛ قند پارس، موتی رام فرحت؛ غزل، بخشی حضور علی۔

آخر میں کتابوں کے اشتہارات ہیں۔

تاریخ دہلی۔ ۳ جلدیں۔ صفحات ۲۵۶۶۔
تاریخ بیجاپور۔ ۳ جلدیں۔ صفحات ۱۲۸۷۔

اُردو ہندی اور ہندی اُردو لغات

حیدرآباد۔ اُردو ہندی لغت اور ہندی اُردو لغت کی تیاری کا کام ہندی پرچار سبھا حیدرآباد کے زیرِ اہتمام ایک خصوصی کمیٹی کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ مولانا آزاد مرحوم کی تحریک پر حکومت ہند کی امداد سے ۱۹۵۸ء میں اس کام کا آغاز ہوا تھا۔ شری سری نیواس لاہوٹی ان لغات کے ایڈیٹر ہیں۔ ہندی اُردو لغت کا دیباچہ پروفیسر حبیب الرحمٰن، معتمد انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے اور اُردو ہندی لغت کا دیباچہ شری ایل۔ این گپتا معتمد تعلیمات آندھرا پردیش نے تحریر کیا ہے۔ ابتدا میں اس کام کی نگرانی شری قاضی عبدالغفار، جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو (ہند) کے تفویض تھی۔ ان کے انتقال کے بعد مولوی غلام ربانی، پنڈت وگشی دھر ودیالنکار اور پنڈت بھشم دیو شاستری نے اس کام کی نگرانی کی۔ حکومت ہند کے اسپیشل افسر برائے ہندی بھی اس کام کے خصوصی نگراں تھے۔ دونوں لغات مکمل ہونے کے بعد حکومت ہند کے پاس پیش کردی گئی ہیں اور اشاعت کی اجازت ملتے ہی شائع کردی جائیں گی۔ ہر لغت میں تقریباً بیس ہزار الفاظ معنی، تشریح اور قواعد کے ساتھ دئے گئے ہیں، جن کا روزمرہ کی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

(نامہ نگار)

انجمن نوجوان مصنفین بمبئی کا تعزیتی جلسہ

انجمن نوجوان مصنفین کی ادبی نشست ۱۰ مارچ کو ہوئی جس کی صدارت انیس جلالی صاحب نے فرمائی۔ اس جلسے میں یوسف منان صاحب کے انتقال پر مندرجۂ ذیل تعزیتی تجویز بالاتفاق رائے منظور ہوئی۔

"انجمن نوجوان مصنفین (بمبئی) کا یہ اجلاس اُردو کے جوان سال ادیب یوسف منان کی بے وقت موت پر اپنے انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کی جدائی کو نئے لکھنے والوں کی صف میں ایک عظیم نقصان تصور کرتا ہے۔ "شام ہونے تک"، "نوکری" اور "صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے" جیسی کہانیوں کے خالق سے اردو زبان کے افسانوی ادب نے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں لیکن زیست نے مرحوم سے وفا نہ کی ورنہ اور بہت سی اسی معیار کی کہانیاں ہمارے ادب کو ملتیں۔ مرحوم کے مضامین ہندوستان اور پاکستان کے بیشتر معیاری اور ادبی رسائل مثلاً "افکار" (کراچی)، "ادب لطیف" (لاہور)، "سویرا" (لاہور)، "نقوش" (لاہور)، "شاہراہ" (دہلی)، "صبا" (حیدرآباد دکن)، "شاعر" (بمبئی)، "شمع" (نئی دہلی) وغیرہ میں چھپتے رہتے تھے۔ علاوہ اس کے وہ ہفت روزہ "بمبئی" (بمبئی) اور ہفت روزہ "سلاسل" (بمبئی) میں باقاعدہ ہفتہ واری کالم لکھا کرتے تھے۔"

(سلیمان ظفر جوائنٹ سکریٹری)

اُردو مجلس کا ماہانہ ادبی اجلاس

حیدرآباد۔ اُردو مجلس کا ماہانہ ادبی اجلاس ۲۵ر مارچ کو اُردو ہال میں بصدارت آغا حیدر حسن دہلوی منعقد ہوا۔ حبیب الرحمٰن صاحب معتمد ریاستی انجمن ترقی اُردو نے مسٹر وی۔ کالیشور راؤ اسپیکر ریاستی اسمبلی کی وفات پر قرارداد تعزیت پیش کی جس میں مرحوم کی عظیم خدمات اور لسانی ہم آہنگی و قومی یک جہتی کے جذبات کو مستحکم بنانے میں اُن کے قابلِ قدر حصے کا ذکر تھا۔ مرحوم اُردو ادبیات کے مربی و محسن تھے جن کی کوششوں سے تلگو، اُردو سائنس اکیڈیمی قائم ہوئی۔ حاضرین جلسہ نے ایستادہ ہو کر دو منٹ کی خاموشی کے ساتھ اس قرارداد کو منظور کیا۔

ڈاکٹر جعفر حسن نے پروگرام کے مطابق "دہلی میں مشاہدے ــــ سطحی اور سنجیدہ" کے زیرِ عنوان اپنا معلوماتی اور دلچسپ مضمون سنایا جو ایک طرح کا رپورتاژ بھی تھا۔

محفلِ شعر و سخن میں بانو طاہرہ سعید، راشد آذر، عزیز اقبال، وقار خلیل، صادق نقوی، صلاح الدین نیر، کرن پرشاد، خوشتر، فیض الحسن خیال، ساجد رضوی اور عابد عاصم سرور ڈنڈا صاحبان نے کلام سنایا۔

جناب آغا حیدر حسن دہلوی نے ٹھیٹ دہلی کی بیگماتی زبان میں صدارتی تقریر کی اور دہلی مرحوم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "افسوس صد افسوس کہ دہلی میں اب وہ دہلی والے نہیں رہے جو مغلیہ دورِ حکومت سے وہاں رہتے بستے آئے تھے۔ دہلی کی وہ تہذیب اور دہلی کی وہ زبان جو کبھی اُردوئے معلّٰی کہلاتی تھی یک لخت ختم ہو گئی اور نئے ہندوستان کے ساتھ دہلی میں نئی تہذیب پروان چڑھ رہی ہے۔" آغا صاحب نے اپنے زمانے کی دہلی کے بازارات، میلوں ٹھیلوں اور عیدوں تہواروں کا چٹخارے دار لب و لہجہ میں ذکر کیا اور آخر میں کہا کہ "دہلی کے اُجڑنے کے بعد حیدرآباد ہی ایک ایسا شہر رہ گیا ہے جہاں قدیم تہذیب محفوظ ہے۔"

صدارتی تقریر کے بعد جناب محمد منظور احمد معتمد اعزازی اُردو مجلس کے شکریہ پر یہ ادبی اجلاس اختتام کو پہنچا۔

(ابو العقیل)

بیدل بیکانیری کو ابھینندن پتر

۱۳ر مارچ ۱۹۶۲ء کو بیخود دہلوی مرحوم کے شاگردِ رشید جناب محمد عبد اللہ صاحب بیدل ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج بیکانیر کو "ہندی وشو بھارتی" نے ایک عام جلسے میں جو زیرِ صدارت پنڈت بدری پرشاد جی ویاس سابق جج ہائی کورٹ بیکانیر ناگری بھنڈار میں منعقد ہوا تھا، بیدل صاحب کی شاعرانہ اور ادبی خدمات پر ان کو ابھینندن پتر دیا۔

ابھینندن میں اس بات پر فخر کیا گیا کہ بیدل نے ایک راجستھانی ہوتے ہوئے اُردو شاعری میں کمال پیدا کیا۔

جلسے میں ہر مذہب و ملت کے عالم و پنڈت اور عوام و خواص موجود تھے۔ ایک مشاعرہ بھی ہوا، جس میں مقامی شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ اس مشاعرے میں شاد جاجی نے بیخود دہلوی کی غزل سنائی۔

(عارف نقش بندی)

جمکھنڈی میں یومِ اقبال

آزاد لائبریری جمکھنڈی کی جانب سے بتاریخ یکم اپریل ۱۹۶۲ء بمقام آزاد لائبریری یومِ اقبال منایا گیا۔ مقامی ہندی پرچار سنگھ کے سکریٹری جناب شام راؤ صاحب واٹوے ایڈیٹر "نوہند" ہفتہ وار جمکھنڈی نے جلسہ کی صدارت کی۔ ابتدا میں اُردو اسکول کے طالب علموں نے اقبال کے کلام کو خوش الحانی سے پڑھا۔ اس محفل میں عبد العزیز مومن، نثار احمد ناگٹھان، عبد الرزاق جمنا اور عقیلہ حکیم نے اقبال کے تعلق سے اپنے گراں قدر مقالات پیش کئے۔ اس اجتماع کو مرزا نصیر الدین بیگ مغل، ایم۔ ایم پولیس، محمد عمر ملا، غوث محی الدین اشکری اور وہاب عندلیب نے بھی مخاطب کیا۔ مذکورہ مقررین نے اقبال کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کو سامعین کے سامنے پیش کیا۔ جناب شام راؤ صاحب واٹوے نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اُردو ہندوستان کی سب سے میٹھی اور رسیلی زبان ہے۔ اور اقبال نے اپنے رنگا رنگ کلام سے اس زبان کی شیرینی اور مٹھاس میں مزید اضافہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اقبال کسی ایک فرقہ کے شاعر نہیں ہیں بلکہ ان کا موضوع کل کائنات اور انسانیت ہے۔ جنگِ آزادی میں اقبال کی شاعری نے مجاہدینِ آزادی کے دلوں کو گرمایا ہے۔ وہ ایک سچے محبِ وطن شاعر تھے۔ مختلف فرقوں میں ہم آہنگی کے لئے اُن کی شاعری نے بڑا کام کیا ہے۔ اور آج بھی ملک میں قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اُن کی شاعری سے بڑی مدد لے سکتے ہیں۔

جلسہ تقاریر کے بعد محفلِ شعر و سخن بھی منعقد ہوئی۔

سکریٹری کے شکریے اور اقبال کے ترانہ پر یہ رنگا رنگ تقریب تقریباً ایک ساعت صبح پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

(سکریٹری)

اُردو لائبریری اورنگ آباد کا سنگِ بنیاد

اورنگ آباد (گیان) ۲۰ر مارچ کو اُردو لائبریری کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب میں ایک عام جلسہ منعقد ہوا جس میں شہر کے تمام اُردو دوست حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ صدارت کے فرائض الحاج ڈاکٹر سید محمد اسحٰق صاحب نے انجام دئے۔ لائبریری کے معتمد سید نظام الدین قادری نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ لائبریری ۱۹۳۰ء سے مسلسل کام کر رہی ہے۔ درجنوں رسالے اور سیکڑوں کتابیں موجود ہیں جن سے طلبہ اور اہلِ ذوق مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ستّرہ برسوں کے اس طویل عرصے میں لائبریری برابر کرایہ کے مکان میں رہی۔ اب شہر کے ایک مخیر رئیس جناب غلام رسول خاں صاحب کی عنایت سے جنھوں نے لائبریری کی عمارت کے لئے ایک قطعۂ زمین وقف کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج سنگِ بنیاد کی رسم ادا ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں حکومت سے بھی کچھ امداد ملی ہے لیکن اس سے زیادہ رقم خود عوام نے اپنے وسائل سے فراہم کی ہے۔ ڈاکٹر سید محمد اسحاق صاحب نے لائبریری کا سنگِ بنیاد رکھا۔

(لطافت حسین شمسی۔ نائب معتمد)

پروفیسر ہارون خاں شروانی

فورسٹر کی اُردو دوستی

بہت سے اُردو پریمیوں کو اخباروں میں یہ خبر پڑھ کر مسرت آمیز حیرت ہوئی ہوگی کہ انگلستان کے چوٹی کے ناول نویس ای۔ ایم فورسٹر نے ایک ہزار پونڈ کا گراں قدر عطیہ حیدرآباد کے اُردو ہال کی تکمیل کے لئے دیا ہے۔

اُردو والوں سے فورسٹر کی دوستی کی داستان بہت طویل ہے سرسید کے پوتے مسعود نوعمری کے زمانے ہی میں انگلستان گئے، اور لندن سے میں میل دور برج میں اپنے اتالیق سر تھیوڈور مارلیسن کے ساتھ رہنے لگے۔ مارلیسن نے ایک نوجوان انگریز، فورسٹر سے کہا کہ مسعود کو لاطینی کا درس دے دیا کیجئے۔ یہ واقعہ ۱۹۰۶ء کا ہے، اور یہیں سے فورسٹر کا ہندوستان سے اور اُردو والوں سے تعلق خاطر شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں میں بھی اپنی تعلیم کی غرض سے انگلستان پہنچا اور اپنے دوست مسعود سے ملنے وے برج گیا اور وہاں پہلی مرتبہ فورسٹر سے ملاقات ہوئی۔ طالب علمی کے زمانے اور یورپ کے قیام کے دوران میں فورسٹر سے متعدد مرتبہ ملاقات ہوئی اور میں نے دیکھا کہ یہ ادیب گویا صفوں کو چیرتا ہوا کس طرح صف اول میں آرہا ہے اور انگریزی ادب میں اپنا نام اور مقام پیدا کرتا جا رہا ہے۔

۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء تک فورسٹر کے "اُردو" دوستوں کا حلقہ وسیع ہونے لگا اور اس میں ابوسعید مرزا (بعدہٗ نواب سعید جنگ میر مجلس عدالت العالیہ حیدرآباد) احمد مرزا مرحوم (بعدہٗ چیف انجینیر حیدرآباد) سید محی الدین (بعدہٗ معتمد تعلیمات، حیدرآباد) شیخ محمد سعید مرحوم (بعدہٗ ڈسٹرکٹ جج میرٹھ)، عبدالرشید (بعدہٗ وزیر امور داخلہ اندور) بھی شامل ہوگئے۔ ہم میں سے بعض کیمبرج میں زیر تعلیم تھے، بعض آکسفرڈ میں اور بعض لندن میں، لیکن جب مسعود آکسفرڈ کی تعلیم ختم کر کے بیرسٹری کے امتحانات دینے کے لئے لندن آکر رہنے لگے تو ان کا مکان ہم لوگوں کا گویا اڈا بن گیا، اور ہم لوگ لندن آتے تو انھی کے یہاں ٹھہرتے۔ لندن میں فورسٹر سے اکثر ملاقات ہوئی۔ مسعود ۱۹۱۲ء کے وسط میں ہندوستان واپس آگئے۔ انگلستان سے چلنے سے پہلے انھوں نے فورسٹر کو ہندوستان آنے کی دعوت دی، چنانچہ اسی سال کے اواخر میں فورسٹر نے محض تفریح کی خاطر ہندوستان کا سفر کیا۔ لیکن یہاں انھیں وہ مواد مل گیا، جس کی بنیاد پر انھوں نے بارہ برس بعد اپنی مشہور آفاق کتاب A Passage to India لکھی۔ مسعود نے ان کے لئے انگرکھا، چوڑی دار پائجامہ سلوایا اور لکھنوی ٹوپی بنوائی، اور ایسے پہن کر گویا اصلی ہندوستان کو دیکھنے کی خاطر رتھوں اور یکوں میں بیٹھ کر شکار کے بہانے میزبان اور مہمان علی گڑھ کے نواح کے گاؤں گاؤں پھرے اور بڑے بڑے زمینداروں کی گڑھیوں میں جاکر آرام کیا۔

۱۹۱۳ء کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ فورسٹر اور مسعود دونوں ہندوستانی لباس میں ملبوس لاابالیانہ انداز سے دہلی کے چاندنی چوک میں گھوم رہے تھے، کہ یکایک فورسٹر نے مسعود کی طرف مڑ کر پوچھا کہ بتاؤ، اُردو زبان کا سب سے بڑا کلاسیکی شاعر کونسا ہے۔ مسعود نے برجستہ جواب دیا کہ غالب سے بڑھ کر کون ہوگا۔ مسعود نے حافظہ بہت زبردست پایا تھا، بیسیوں شعر غالب کے یاد تھے، اور پھر انگریزی کی استعداد میں تو وہ بہت سے انگریزوں کو بھی مات دے سکتے تھے۔ وہ غالب کے اشعار سنانے لگے اور ہر شعر میں جو فلسفیانہ نکتہ تھا اسے بھی فورسٹر کو سمجھانے لگے۔ فورسٹر نے پوچھا کہ غالب کا دیوان تو یقیناً مطبوعہ ہوگا، مجھے اس کا ایک نسخہ دلوادو۔ آج تو چاندنی چوک میں کیا، اس کے ارد گرد بھی اُردو کتابوں کی ایک دکان بھی نہیں، [illegible] ۱۹۱۳ء میں تو چار چھ دکانیں فوارے کے قریب تھیں۔ ایک دکان کے سامنے دونوں کھڑے ہوگئے۔ مسعود نے دکان دار سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس دیوان غالب ہے؟ دکان دار نے جواب دیا کہ جی ہاں، آٹھ آنے والا دوں یا بارہ آنے والا یا پھر سیر پانچ روپے کا ایک بڑھیا ایڈیشن ہے اسے حاضر کروں؟ اور بغیر جواب لئے وہ اندر سے تینوں کا ایک ایک نسخہ لے آیا۔ آٹھ آنے اور بارہ آنے کا دیوان تو بادامی کاغذ پر چھپا ہوا اور سفیدہ تاگے سے سلا ہوا تھا اور سوا روپے والا سفید کاغذ پر، لیکن اس پر جگہ جگہ ملباعتی سیاہی کے دھبّے پڑے تھے۔ دیوان غالب کے ان تینوں نسخوں کو دیکھ کر فورسٹر مسعود کی طرف پلٹے اور کہنے لگے کہ جس شاعر کو تم اُردو کا سب سے بڑا کلاسیکی شاعر سمجھتے ہو اس کا دیوان ایسے کاغذ پر چھپا ہے جس سے ہم اپنا بدن بھی صاف کرنا پسند نہیں کریں گے۔ مسعود اس ریمارک پر پسینہ پسینہ ہوگئے، اور اسی واقعے کے بعد انھوں نے نظامی پریس بدایوں میں دیوان غالب کا وہ صاف ستھرا ایڈیشن چھپوایا جو بعد کے نفیس ایڈیشنوں کا گویا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس قصے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آج سے پچاس برس پہلے بھی فورسٹر کو اُردو زبان سے اتنا لگاؤ ہوگیا تھا کہ وہ اسے پسند نہ کرتے تھے کہ غالب جیسے عظیم شاعر کی کلیات ردی کاغذ پر چھاپی جائے۔

اسی سفر کے دوران میں وہ اورنگ آباد بھی گئے جو اس زمانے میں حیدرآباد ریاست کے ایک صوبے کا مستقر تھا اور ابوسعید مرزا کے یہاں قیام کیا۔ اورنگ آباد کے قیام کے جو حالات انھوں نے لکھے ہیں وہ ابھی حال میں لندن کے رسالہ Encounter میں چھپے ہیں۔

۱۹۱۳ء میں فورسٹر انگلستان واپس ہوئے وہاں کئی مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی وہ آہستہ آہستہ ادیبوں کی صف اول میں آرہے تھے۔ [illegible] ۱۹۲۱ء میں مہاراجہ دیواس کے معتمد بن کر آئے اور اس چھوٹی سی ریاست میں چھ مہینے قیام کیا۔ انھوں نے ۱۹۱۲ء، ۱۹۲۱ء ... دیواس سے جو بھی خطوط لکھے انھیں ایک نہایت دلچسپ کتاب The Hill of Devi کی شکل میں شائع کیا ہے، اور اس کتاب سے اس زمانے کی ایک دیسی ریاست کا صحیح نقشہ سامنے آتا ہے۔ یہاں بھی وہ اپنے حیدرآبادی دوستوں کو نہیں بھولے، اور اپنے دوست مسعود کے یہاں جو اس وقت ناظم تعلیمات تھے، دو تین روز آکر ٹھہرے۔

فورسٹر کے پاس ہندو مسلم سماج ہی نہیں، بلکہ اینگلو انڈین زندگی، ہندوؤں اور مسلمانوں کی عام حالت، ان کے اچھے اور برے پہلوؤں، برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے حالات کی بابت اتنا مواد جمع

ہو گیا تھا اور وہ خود اس ملک کی زندگی میں گویا اتنا سمو گئے تھے کہ وہ اپنی وسیع معلومات کو ایک لڑی میں پرو سکتے تھے۔ یہی وہ کیفیتیں تھیں جن کی جھلک اُن کی معرکۃ الآرا کتاب A Passage to India میں نظر آتی ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فورسٹر نے ہندوستانی سماج کے ہر پہلو کو کس طرح اپنا بنا لیا تھا۔ فورسٹر کا یہ شاہکار سب سے پہلے ۱۹۲۴ء میں منظر عام پر آیا اور اب تک اس کے بیسوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب کو مسعود کے نام پر اس طرح معنون کیا ہے۔

To Syed Ross Masood and to Seventeen Years of our Friendship.

۱۹۴۵ء میں فورسٹر P.E.N. کے بین قومی جلسے میں، جو جے پور میں منعقد ہو رہا تھا، پھر ہندوستان آئے۔ ان کے جگری دوست مسعود اس دنیا میں باقی نہیں رہے تھے، پھر بھی انھوں نے اس عہد کے گہوارۂ اُردو، حیدرآباد اور اپنے حیدرآبادی دوستوں کی یاد کو فراموش نہیں کیا۔ وہ حیدرآباد چند روز کے لئے آئے اور سجاد مرزا کے یہاں (جو اس وقت چادر گھاٹ اسکول کے پرنسپل تھے اور جو بعد میں چل کر معتمد تعلیمات ہوئے) قیام کیا۔ فورسٹر نے سٹی کالج یا نظام کالج میں (جس کا میں پرنسپل تھا)، جامعہ عثمانیہ کے معین امیر نواب علی یاور جنگ کی صدارت میں دو لکچر "دونوں سنسار کی جنگوں کے درمیانی وقفے میں انگریزی ادبیات کا ارتقا" کے موضوع پر دئے تھے۔ یہ ان کا ہندوستان کا سب سے آخری دورہ تھا۔ کیا عجب کہ ہندوستان کی کشش ایک مرتبہ ان پر غالب آ جائے اور ہم انھیں پھر خوش آمدید کہہ سکیں۔

فورسٹر کو اپنے ہندوستانی دوستوں کے ساتھ اُردو زبان سے بھی یقیناً غیر شعوری لگاؤ ہو گیا ہو گا لیکن اس لگاؤ کا انھوں نے عالم حال تک اظہار نہیں کیا۔ جب سجاد مرزا نے انھیں اس بات کی مبارکباد دی کہ سانتا راما راؤ نے ان کے شاہکار A Passage to India کو ڈرامے کا روپ دیا ہے اور اسے لندن اور نیویارک دونوں شہروں کے اسٹیج پر ایسی نمایاں کامیابی ہوئی ہے، اور ساتھ ہی حیدرآباد میں اُردو کے موجودہ موقف اور اُردو ہال کا ذکر کیا، تو فورسٹر کے دل میں جو غیر شعوری ہمدردی اُردو کے ساتھ تھی وہ اپنا رنگ لائی اور انھوں نے فوراً ایک ہزار پونڈ کا چیک بھیج دیا۔ وہ سجاد مرزا کو اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ "گو میں نے کبھی اُردو نہیں بولی، لیکن چونکہ میں نے یہ زبان اپنے ایسے دوستوں سے سُنی ہے جو میرے محبوب ہیں اس لئے اسے گویا خود اپنی زبان سمجھتا ہوں۔"

(مقتبس از سیاست حیدرآباد)

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کا دفتر رفاہ عام کی عمارت میں

لکھنؤ۔ انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کا دفتر مستقل طور پر رفاہ عام کی تاریخی عمارت جلسۂ تہذیب لائبریری میں منتقل ہو کر آ گیا ہے۔ انجمن کی جدوجہد کے مد نظر عرصہ سے اس ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا۔ انجمن کا جلسہ بھی وہیں منعقد ہوا اور ڈاکٹر شجاعت علی جنرل سکریٹری نے عاملہ کے سامنے انجمن کے دفتر کی منتقلی اور انجمن کی صدارت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ خوشی کی بات ہے کہ انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کی صدارت کے سلسلے میں ممبروں کا جو وفد پنڈت آنند نرائن مُلّا (سابق جج الٰہ آباد ہائی کورٹ) سے ملا تھا اسے کامیابی ہوئی اور پنڈت جی نے انجمن کی صدارت کے عہدہ کو قبول کر لیا۔ جلسہ نے اس خبر کا خیر مقدم کرتے ہوئے رفاہ عام ایسوسی ایشن کے شکریہ کی بھی ایک تجویز منظور کی کہ اس نے انجمن کے دفتر کے واسطے جلسۂ تہذیب لائبریری میں ایک مستقل جگہ دے دی اور اب یہ تاریخی عمارت جو تقریباً ایک صدی سے اُردو ادب کا گہوارہ رہی ہے، اب انجمن ترقی اُردو کے قیام کے بعد یقین ہے کہ اس کی سابقہ روایات کی بھی تجدید ہو گی اور ادبی سرگرمیوں کا یہ ایک مرکز بن جائے گا۔

انجمن نے ممبر سازی کی مہم چلانے اور دفتر کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ممبران عاملہ سے عطیوں کے واسطے اپیل کی ہے اور جلد ہی باقاعدہ دفتر کے افتتاح کی ایک تقریب بھی منائی جائے گی۔

(ا ن س)

انجمن ترقی اُردو ساگر کی لائبریری کا افتتاح

ساگر۔ ۲۰ مارچ۔ انجمن ترقی اُردو شاخ ساگر کی لائبریری کا افتتاح کرتے ہوئے سیٹھ پریم چند جین نے کہا کہ "اُردو زبان ہم سب کے میل جول سے بنی ہے۔ جب الگ الگ جگہ کے لوگ مل کر آپس میں بات چیت اور من کی بات ظاہر کرنا چاہیں تو اُردو کے ہی سہارے اطمینان پڑتا ہے۔"

اس اجتماع میں شہر کے معززین نے شرکت کی۔ بھوپال سے علامہ نوحی صدیقی، وکیل صدر الدین انصاری اور فیضی صاحب بھی اس جلسے میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ صدر انجمن وحیدی الحسینی نے اپنی تقریر میں کہا کہ اُردو کا پودا اس سرزمین میں پیدا ہوا اور سب قوموں کی مشترکہ آبیاری سے پروان چڑھا۔ ہندوستانی کلچر کی سچی نمائندگی ہمیں اس زبان میں ملتی ہے۔ یہی ہندوستان کی وہ زبان ہے جو ایک کونے سے دوسرے کونے تک بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ آپ نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ شہر کے ایک ہونہار سماجی سیوک سیٹھ پریم چند اس لائبریری کا افتتاح کر رہے ہیں۔ سکریٹری انجمن ترقی اُردو جناب محمد حسین خاں مہر نے انجمن کی دو سالہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ آج انجمن کے لئے یہ نہایت پُرمسرت موقع ہے کہ اس کی مرکزی لائبریری کا افتتاح ہو رہا ہے، اور ہم اپنے دو سالہ کاموں کا جائزہ لے کر مستقبل کا منصوبہ ترتیب دے رہے ہیں۔

اس اجتماع کا اختتام مشاعرے پر ہوا۔ ساگر کے مشہور بیڑی ساز سیٹھ بھگوان داس، سیٹھ پریم چند جی اور دیگر معززین شہر آخر تک شریک مشاعرہ رہے۔

(محمد یوسف گھری)

معاصرین

قومی ہندی

ابھی حال میں راجیہ سبھا میں ہندی ساہتیہ سمیلن کا مسودۂ قانون پیش ہوا تو اس بحث میں ممبروں نے ہندی کے بارے میں بھی اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ اگر ان سب رایوں کو اکٹھا کیا جائے تو ان کو دو قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اگر ہندی کو جنوبی ہند میں مقبول بنانا ہے تو اس میں زیادہ سے زیادہ سنسکرت الفاظ کو ملانا چاہئے کیونکہ سنسکرت الفاظ تمام جنوبی ہند کی زبانوں میں مشترک ہیں اور بہت کافی پائے جاتے ہیں۔ ہندی میں سنسکرت کے بڑھ جانے سے ہندی، جنوبی ہند والوں کے لئے قابل فہم اور قابل قبول ہو جائے گی۔

دوسری رائے یہ تھی کہ ہندی کو ایسا نہ بنایا جائے کہ وہ مصنوعی زبان بن جائے۔ ایک ممبر نے کہا کہ ہندی میں جو نئے الفاظ شامل کئے جا رہے ہیں وہ مضحکہ خیز ہیں۔ اس طرح ہندی زبان مقبول نہیں ہو سکتی ہے۔

جب سے ہندی کو قومی زبان بنایا گیا ہے۔ اس کی ترقی کے لئے ایسا راستہ نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو ناقابل عمل ہے۔ وہ راستہ یہ ہے کہ اس زبان میں بہت سے نئے سنسکرت کے الفاظ شامل کئے جائیں تاکہ وہ جنوبی ہند میں مقبول ہو۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش ہے کہ وہ نئے الفاظ مانوس اور رائج بھی ہوں۔ شاید ابھی تک ہندی کے حامیوں نے اس بات پر غور نہیں کیا ہے کہ یہ دو باتیں کہ الفاظ نئے ہوں اور رائج اور مانوس ہوں متضاد ہیں۔ جو رائج ہیں ان کو کوئی نیا نہیں کہہ سکتا ہے اور نہ ان کو شامل کرنے کا کوئی سوال اٹھتا ہے۔ شامل وہی لفظ کیا جائے گا جو نیا ہو اور ظاہر ہے کہ وہ مقبول نہیں ہوگا۔

اس تضاد کی ایک اور شکل بھی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہندی میں بہت سے نئے سنسکرت کے الفاظ ملا دئے گئے تو ہو سکتا ہے کہ وہ جنوبی ہند میں مقبول ہو جائے لیکن ایسی زبان جس میں بہت سے نئے سنسکرت کے الفاظ ہوں اس خطے کے لئے جہاں کی وہ اصل زبان ہے یعنی شمالی ہند، اجنبی اور نامانوس ہو جائے گی۔ اس لئے اگر ہندی کو جنوبی ہند کے ذوق کے مطابق ترقی دی جائے گی تو وہ شمالی ہند میں نامقبول ہوگی، اور اگر شمالی ہند کی مناسبت سے اس کو ترقی دی جائے گی تو وہ جنوبی ہند میں چاہے کسی اور بنا پر مقبولیت حاصل کرے، اس بنا پر تو مقبولیت حاصل نہیں کر سکے گی کہ اس میں بہت سے سنسکرت کے الفاظ ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انگریزی کا سنسکرت سے بہت قدیم رشتہ ہے لیکن اس وقت تو یہ دونوں زبانیں اس طرح سے الگ ہیں جیسے عربی اور انگریزی لیکن اس کے باوجود جنوبی ہند والوں نے انگریزی خوب سیکھ لی اور اس کو اپنا لیا۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ بحث صرف اس بات سے ہے کہ ایسا ہوا اور ہو سکتا ہے۔ اور کسی زبان کو جنوبی ہند میں مقبول بنانے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس میں سنسکرت کی بھرمار کر دی جائے۔ اگر ہندی کے حامی مگر اس کے غلط خدمت گزار اس انداز پر سوچیں تو ان کی موجودہ الجھنوں کا حل نکل آئے۔

(قومی آواز)

آغا محمد اشرف کا انتقال

افسوس ہے کہ آغا محمد اشرف (نبیرۂ آزاد) بھی ہم سے بچھڑ گئے۔ مرحوم ادیب ابن ادیب ابن ادیب تھے۔ ان کے جوہر اس وقت کھلے جب وہ بی بی سی سے دوران جنگ میں رنگ برنگ کے پروگرام نشر کرنے لگے۔ ان کی کچھ تقریریں "آداب عرض" کے عنوان سے چھپ بھی چکی ہیں۔ مرحوم متحدہ ہند میں حکومت کے مختلف محکموں سے وابستہ رہے۔ پھر اقوام متحدہ کے سیکرٹریٹ میں چلے گئے۔ بے حد ملنسار اور با اخلاق آدمی تھے۔ یہ چیز تو درحقیقت انھیں ورثہ میں ملی تھی۔ جہاں جہاں رہے نیک نام رہے۔ ان کی موت سے اردو لٹریچر ایک ممتاز ادیب کی خدمات سے محروم ہو گیا ہے۔

(کتابی دنیا۔ کراچی)

نوٹ:— آغا اشرف مرحوم دہلی میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے۔ پہلے پہل آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہوئے۔ اسی دور میں دہلی ریڈیو اسٹیشن کے صبح کا پروگرام آغا اشرف کے "آداب عرض" سے شروع ہوا کرتا تھا۔ ان کے آداب عرض کا لب و لہجہ اس درجہ دل کش تھا کہ آگے چل کر انہوں نے اپنے نشری مجموعے کا نام "آداب عرض" رکھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں مرحوم وزارت تعلیم سے وابستہ تھے۔

(ادارہ)

[illegible]

منیجر

ایجنسی کی کتابیں

یادگار فرحت	مرتبہ غلام یزدانی قیمت مجلد ۴٫۰۰ - غیر مجلد	۳٫۰۰
معاشیات	حبیب الرحمٰن	۳٫۰۰
مجاز نمبر (علی گڑھ میگزین)		۳٫۵۰
چنگیز (ڈرامہ)	محمد فضل الرحمٰن	۲٫۰۰
گوتم بدھ (منظوم سوانح حیات)	"	۱٫۰۰
سقراط (ڈرامہ)	"	۱٫۲۵
زندگی کے کھیل (ڈرامے)	بیگم صالحہ عابد حسین	۲٫۵۰
ابتدائی سماجی لسانیات	فاطمہ شجاعت	۳٫۰۰
شخصیات اور واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا		۵٫۰۰
مسدس بے نظیر (جان صاحب)	مرتبہ اثر رام پوری	۲٫۵۰
اسباب بغاوت ہند	سید احمد خاں	۲٫۰۰
"اردو ادب" (آزاد نمبر)	مرتبہ آل احمد سرور	۵٫۰۰
۱۹۶۰ء کے بہترین افسانے	ایم حبیب خاں	۲٫۲۵
حالی کا سیاسی شعور	[illegible]	۴٫۵۰
مقدمہ کلام آتش	خلیل الرحمٰن اعظمی	۳٫۷۵
بھجن گرنتھ	جوش ملسیانی	۱۰٫۰۰
جنون و ہوش	"	۴٫۰۰
ہفت رنگ	جوش ملسیانی	۳٫۰۰
تلامذہ غالب	مالک رام	۷٫۵۰
نوید گل	سعادت نظیر	۰٫۶۰
پھول اور کلیاں	"	۰٫۶۰
آب و تاب	"	۱٫۵۰
علی گڑھ میگزین	مجاز نمبر　شعبۂ اردو	۱٫۵۰
"	سنہ ۶۰ء　"	۳٫۰۰
حیدر آباد کے ادیب	زینت ساجدہ　غیر مجلد ۴٫۰۰ - مجلد	۵٫۰۰
حیدر آباد کے شاعر	خواجہ حمید الدین شاہد　" ۴٫۰۰ "	۵٫۰۰
فکر و ادب	دیویندر اسر	۳٫۵۰
ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقا میں ان کا حصہ	سیدہ جعفر	۳٫۵۰
رپورٹ کل ہند اردو کانفرنس		۲٫۰۰
انتخاب جدید نثر اردو	سید احتشام حسین رضوی	۲٫۵۰
قصیدہ غربیہ		۰٫۵۰
تابش سہیلی	افتخار اعظمی	۵٫۰۰

موج کوثر	اقبال سہیل	۱۰٫۵۰
ارمغان حرم	مرتبہ افتخار اعظمی	۵٫۰۰
پس پردہ		۵٫۰۰
القاموس الجدید		۷٫۰۰
علم کی ضرورت	شاہ وصی اللہ	۰٫۵۰
ایک معمولی لڑکی	بلونت سنگھ	۴٫۰۰
حالی کا نظریۂ شعری	ناظر کاکوروی	۴٫۰۰
ہندوستانی موسیقی	مفتی فخر الاسلام	۳٫۰۰
عبدالرحیم خانخاناں	جے کرشن چودھری	۱٫۲۵
ادبی جھلکیاں	صالحہ عابد حسین	۲٫۵۰
اندازے	فراق گورکھپوری	۵٫۷۵
چاندنی اور انگارے	اسلام رونقی	۲٫۰۰
بھرتری ہری	جے کرشن چودھری	۲٫۰۰
دوش فردا	مجنوں گورکھپوری	۵٫۵۰
چترلیکھا	بھگوتی چرن ورما	۳٫۵۰
گل پارے	کاظم علی خاں	۴٫۰۰
فیض مشرق	ڈاکٹر محمد احسن	۳٫۵۰
ادب اور ادیب	ڈاکٹر اعجاز حسین	۴٫۰۰
گل نغمہ	فراق گورکھپوری	۶٫۵۰
جائزے	ناظر کاکوروی	۳٫۰۰
اقبال اور اس کا عہد	جگن ناتھ آزاد	۲٫۵۰
نروان	فاروق جنوں	۲٫۰۰
لوک گیت	اظہر علی فاروقی	۱٫۵۰
قصیدہ عطار	سراج الحق	۱٫۵۰
توشے	صالحہ عابد حسین	۲٫۵۰
تنقید اور تنقیدی شعور	ناظر کاکوروی	۳٫۵۰
شاعر آتش نوا	اجمل اجملی	۳٫۵۰
یاد ایام	ضیاء الحسن علوی	۱٫۵۰
اردو سے ہندوؤں کا تعلق	اجمل اجملی	۱٫۵۰
زندگی	چودھری افضل حق	۳٫۰۰
یوحنا	حکیم عرفی	۲٫۰۰
تعارف مرثیہ	شجاعت علی سندیلوی	۳٫۰۰
تعلیم اور زندگی کی اہمیت	جے کرشن سوری	۳٫۰۰

ملنے کا پتہ

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔